پاکستان میں صدر مملکت کا سزا کی معافی پر آئینی اختیار

(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ناقدانہ جائزہ)

حافظ عبد العزیز مجاہد*

ظہور اللہ**

کسی بھی ادارے کو چلانے کے لئے انتظامیہ موجود ہوتی ہے جس میں مختلف افراد کو مختلف ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں ایسے ہی کسی ملک کو چلانے کے لئے بھی افراد ذمہ دار بنائے جاتے ہیں وطنِ عزیز پاکستان میں صدر ایک آئینی سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ملکی معاملات چلانے میں کسی حد تک اس کا کردار نمایاں ہے۔ صدر پاکستان محض ایک فرد ہی نہیں بلکہ ایک ادارے کا نام ہے۔ آئین پاکستان کے مطابق صدر پاکستان کو جہاں دوسرے اختیارات حاصل ہیں وہاں اسے یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ کسی مجرم کی سزا خواہ وہ کسی خطرناک اور نازک مسئلہ پر ہی مبنی کیوں نہ ہو، معاف کر سکتا ہے۔ وہ سزا کسی عدالت، ٹربیونل، یا کسی بھی مجاز اتھارٹی کی طرف سے دی گئی ہو۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل ۴۵ (پنتالیس) میں یہ لکھا گیا ہے:

> "صدر کو کسی عدالت، ٹربیونل یا دیگر ہیئت مجاز کی دی ہوئی سزا کو معاف کرنے، ملتوی کرنے اور کچھ عرصے کے لیے روکنے اور اس میں تخفیف کرنے، اسے معطل یا تبدیل کرنے کا اختیار ہو گا"(۱)

مذکورہ آرٹیکل میں یہ نہیں لکھا گیا کہ وہ کس نوعیت کے جرم کی سزا ہے آیا کہ وہ حدود اللہ سے متعلق ہے، قصاص و دیت یا صرف تعزیری سزا پر موثر ہے۔ پاکستان میں ایک حلقہ اس آرٹیکل کو نظریہ پاکستان یعنی قرآن و سنت کے برعکس خیال کرتا ہے اور صدر پاکستان کا یہ اختیار ناجائز خیال کرتے ہوئے اس آرٹیکل کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

بنیادی طور پر سزائیں تین طرز پر مبنی ہیں: حدود اللہ، قصاص و دیت اور تعزیز۔ آیا کہ آرٹیکل ۴۵ مذکورہ

---

* پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، امپیریل کالج آف بزنس سٹڈیز لاہور

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، امپیریل کالج آف بزنس سٹڈیز لاہور

تینوں اقسام کی سزاؤں پر موثر ہے؟ اور اگر ہے تو کس حد تک؟ اور اگر نہیں ہے تو اس آرٹیکل کی حیثیت کیا ہے اور اس کے نفاذ کی شکل کیا ہے؟ دراصل اس کو شریعت کے آئینہ میں دیکھنا لازمی ہے۔

حدود اللہ

سزاؤں میں سے سب سے پہلی جس سزا کا ذکر کیا جاتا ہے وہ حدود اللہ ہے۔ حدود اللہ سے مراد وہ سزائیں ہیں جو اللہ کے حق کے لئے ثابت ہوں جیسا کہ امام شوکانی لکھتے ہیں : فی الشرع عقوبة لاجل حق الله "شریعت میں اس مقررہ سزا کو کہتے ہیں جو حق اللہ کے طور پر تعین کی گئی ہو"(۲) حدود اللہ کے نفاذ پر انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ جب تک ثبوت ہر پہلو سے مکمل نہ ہو اس وقت تک حدود اللہ کا نفاذ نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح استثناء کا پہلو ہر قانون میں موجود ہے اسی طرح حدود اللہ میں بھی استثنائی پہلو موجود ہیں۔ حدود اللہ کے نفاذ میں ان کو مد نظر رکھنا بھی از حد ضروری ہے۔ حدود اللہ کے نفاذ میں درج ذیل مسلمہ اصول بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور اسی اصول کی مناسبت سے ہی استثناء کا پہلو بھی دیکھا جا سکتا ہے "۔**الحدود تندرئ بالشبهات**"(۳) یعنی حدود کو (ادنی) شبہ سے ساقط کر دیا جاتا ہے۔ سطورِ ذیل میں چند ایسی صورتیں پیش کی جاتی ہیں جن سے سزاؤں کے ساقط ہونے اور ان میں تخفیف کی مثالیں ملتی ہیں جو اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کریں گی۔

ا۔ عرف پر مبنی مسلمہ اصول کے پیش نظر

عرف سے مراد کسی بھی معاشرے کا وہ رسم و رواج جو کسی معاشرے کے علاقائی، مذہبی، ملی، ریاستی، اور سفارتی جذبات کی ترجمانی کرے۔ اسلامی قانون سازی میں عرف کو اہمیت دی جاتی ہے۔ تاہم وہ عرف جو صریحاً اسلام کے بنیادی قانون سے ٹکرائے وہ مسترد کر دیا جاتا ہے۔ اگر وہ اسلام سے نہ ٹکرائے اور اسلام اس کو من و عن قبول کر لے تو وہ عرف اسلام کا قانون کہلاتا ہے۔ اسلام اس کو اہمیت دیتا ہے اور اس کی بنیاد پر حدود کو موخر یا ساقط کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب بنو حنیفہ کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کے دو قاصد اس کا خط لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے خط پڑھ کر ان سے پوچھا کہ کیا وہ مسیلمہ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا"لولا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقكما"(۴)

"اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے کی روایت نہ ہوتی تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔"

یہاں پر قاصدوں کو قتل نہ کرنا اور ان پر ان کے مرتد ہونے کے باوجود سزا کا نفاذ نہ کرنا درحقیقت عرف کے پیش نظر ہے۔ اسلام نے زمانہ جاہلیت کے بہت سے قوانین اسی طرح اپنائے ہیں جو عرف پر مبنی ہیں جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا انصار میں سے ایک صحابی رسول سے بیان کرتی ہیں کہ

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اَقَرَّ القسامة على ما كانت عليه فى الجاهلية(۵)

"بے شک رسول اللہ ﷺ نے قسامت کو اس طریقہ پر باقی رکھا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھی"

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دیت کو بھی زمانہ جاہلیت سے ہی ذکر فرمایا ہے، چنانچہ اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں:

"اور اہل جاہلیت نے دیت میں دس اونٹ مقرر کر رکھے تھے پس عبد المطلب نے جب یہ دیکھا کہ اسقدر مال ادا کرنے سے لوگ قتل سے باز نہیں رہتے تو سو اونٹ دیت میں مقرر کر دیئے اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس کو برقرار رکھا"(۶)

۲۔ مجرم کی جسمانی حالت کے پیش نظر

سزا نافذ کرتے وقت یہ دیکھنا بھی ضروری ہے آیا کہ مجرم اپنی جسمانی حالت کے لحاظ سے سزا کا متحمل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ ذیل میں چند امثلہ اسی ضمن میں رقم کی جا رہی ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدکاری کی مرتکب ایک حاملہ عورت کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جب تک وہ بچے کی ولادت سے فارغ نہیں ہو گئی چنانچہ احادیث کی کتب میں یہ واقعہ یوں درج ہے:

فجاءَت الغامدية فقالت يارسول الله انى قد زنيت فطهرنى انه ردها فلما كان الغد قالت يا رسول الله لم تردنى لعلك ان تردنى كما رددت ماعزا فوالله انى لحبلى قال اما لا فاذهبى حتى تلدى فلماولدت اتته بالصبى فى خرقة قالت هذا قد ولدته قال اذهبى فارضعيه حتى تفطميه فلما اتته بالصبى فى يد ه كسرة خبز فقالت هذا يا نبى الله قد فطمته وقد اكل الطعام

فدفع الصبی الی رجل من المسلمین ثم امر بها فحفر لها الی صدرها وامر الناس فرجموها(۷)

"غامدیہ آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کیجیے، آپ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا جب دوسرا دن ہوا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے کیوں واپس کرتے ہیں شاید آپ ﷺ مجھے ماعز کی طرح لوٹانا چاہتے ہیں، بخدا میں حاملہ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اگر ایسا ہے تو (سزا) نہ (دونگا) تو بچہ جننے کے بعد آنا، چنانچہ جب بچہ جن لیا تو بچہ کو ایک کپڑا میں لپیٹ کر لائیں اور کہا یہ ہے جو میں نے جنا، آپؐ نے فرمایا، جا اس کو دودھ پلا جب اس کا دودھ چھٹے تب آنا، جب اس کا دودھ چھٹا تو وہ بچہ کو لے کر آئیں اور اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ اس کا میں نے دودھ چھڑا دیا ہے اور اب یہ روٹی کھانے لگا ہے، آپؐ نے وہ بچہ مسلمانوں میں سے ایک شخص کو دیا پھر ان کے لیے حکم دیا اور ان کے سینے تک گڑھا کھدوایا اور لوگوں کو اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا"

جب ایک لونڈی زنا کی مرتکب ہوئی اور حضرت علیؓ نے صرف اس وجہ سے سزا موخر کی کہ اس کی جسمانی حالت سزا کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی:

وعن علی قال یا ایها الناس اقیمو الی ارقائکم الحد من احصن منهم ومن لم یحصن فان امة لرسول الله صلی الله علیه وسلم زنت فامرنی ان اجلدها فا ذا هی حدیث عهد بنفاس فخشیت ان انا جلد تها ان اقتلها فذکرت ذلک للنبی صلی الله علیه وسلم فقال احسنت (۸)

"حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اے لوگو اپنے غلاموں پر حد جاری کرو۔ ان میں جو شادی شدہ ہوں اور جو شادی شدہ نہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک لونڈی نے زنا کیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اس پر حد لگانے کا حکم دیا۔ ناگہاں اس کا بچہ جننے کا وقت قریب تھا، میں ڈرا، اگر میں نے اس کو درے مارے تو وہ مر جائے گی میں نے یہ بات نبی ﷺ کے سامنے ذکر کی آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اچھا کیا ہے"

آپ نے ایک بوڑھے کو، جو کوڑوں کی سزا کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا، حقیقی طور پر سو کوڑے لگوانے کی بجائے یہ حکم دیا کہ کھجور کے درخت کی ایک ٹہنی لے کر جس میں سو پتلی شاخیں ہوں، ایک ہی دفعہ اس کے جسم پر مار دی جائیں اس طرح سزا میں تخفیف فرمائی کیونکہ اس مجرم کی حالت اس قابل نہ تھی کہ کوڑے برداشت کر سکے اور اس پر کوڑے مارے جاتے تو وہ مر جاتا۔

عن ابی امامة بن سهل بن حنيف ان النبی صلی الله عليه وسلم اُتی بامرأة قد زنت فقال ممن قالت من المقعد الذی فی حائط سعد فاَرسل اليه فاُتی به محمولا فوضع بين يديه فاعترف فدعا رسول الله صلی الله عليه وسلم بِاِثكال فضربه ورحمه لزماتته وخفف عنه(۹)

"ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت کو حاضر کیا گیا کہ جس نے زنا کرایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کس شخص نے اس کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اس اپاہج شخص نے اس سے زنا کیا ہے جو کہ حضرت سعد کے باغ میں رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو بلایا لوگ اس کو اٹھا کر لائے۔ آپ ﷺ نے کھجور کے خوشے منگائے اور اس (زانی کو) اس سے مارا اور اس کے واسطے تخفیف فرمائی"

سیدنا حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں چوری کے جرم میں پہلے ہی کاٹا جا چکا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کا دوسرا پاؤں کاٹنے کا حکم دیا تو حضرت علیؓ نے کہا کہ ایسا کرنا مناسب نہیں، کیونکہ اس کے پاس چلنے کے لیے ایک پاؤں اور اپنی ضروریات کے لیے ایک ہاتھ رہنا چاہیے(۱۰)

مذکورہ روایات سے واضح ہوتا ہے کہ مجرم کی حالت کے پیشِ نظر بھی سزا میں تخفیف کی جاسکتی ہے۔

۳۔نازک حالات کے پیش نظر

قانون کے نفاذ کے لیے حالات کی نزاکت کو مد نظر رکھنا ازحد ضروری ہے۔ چونکہ اگر معاشرتی حالات درست نہ ہوں اور لوگوں کی مالی اور اخلاقی کیفیات اچھی نہ ہوں تو سخت سزائیں مؤخر کر دی جاتی ہیں۔ ذیل میں وہ مثالیں رقم کی جارہی ہیں جن میں حالات کے دگرگوں ہونے کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دیا گیا۔

آپ ﷺ نے اس وقت چور کا ہاتھ کاٹنے سے منع کر دیا جب لشکر جنگ کے لیے بالکل نکلنے ہی والا تھا۔ چونکہ اس وقت حد جاری کرنا حالات کے موافق نہ تھا۔ اس لیے حدود کو ساقط کر دیا گیا، چنانچہ جامع ترمذی میں اس حدیث کو ذکر کیا گیا ہے

عن بسر بن ارطاۃ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاتقطع الأیدی فی الغزو۔ (۱۱)

"حضرت بسر بن ارطاۃ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جنگ کے دوران ہاتھ نہ کاٹے جائیں"

اسی طرح قبیلہ خزرج کا ایک سردار جو منافق تھا اس نے آپ ﷺ کے اہل بیت کے بارے میں گستاخی کی اور قرآن نے اعلان برات کیا اب وہ سزا کا مرتکب ہو چکا تھا مگر آپ ﷺ نے اس پر سزا کا نفاذ فقط حالات کے پیش نظر روک دیا کہ کہیں مسلمانوں کے درمیان انتشار پیدا نہ ہو جائے اور لوگوں میں کہیں یہ منفی جذبات جنم نہ لیں کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں (۱۲)

۴۔ حدود اللہ سے لاعلمی کے پیش نظر

اگر مجرم کسی فعل کی حرمت سے ناواقف ہو تو یہ چیز سرے سے سزا کے سقوط یا اس میں تخفیف کا سبب بن سکتی ہے۔

بروایت سعیدؒ ابن المسیب کہ شام میں ایک شخص نے زنا کا ارتکاب کیا اور بلا جھجک لوگوں میں اظہار کیا۔ جب لوگوں نے اس پر تعجب اور ناگواری کا اظہار کیا تو اس نے تعجب سے کہا کہ اچھا! اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کہا ہے، میں تو اس بات سے واقف نہیں۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کو لکھا کہ اگر یہ شخص زنا کی حرمت سے واقف تھا تو اس پر حد قائم کرو، ورنہ اسے بتاؤ کہ یہ حرام ہے اور اگر دوبارہ اس کا مرتکب ہو تو پھر حد جاری کرو۔ (۱۳)

اسی طرح ایک دوسرے واقعہ میں یہ مثال نظر آتی ہے۔ ایک لونڈی جو بوجہ زنا حاملہ ہو چکی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے بے تکلف انداز میں بتایا کہ ہاں،

میں نے مرغوش نامی شخص سے دو درہم لے کر زنا کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سزا دینا چاہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ جس انداز میں بے جھجک زنا کا ذکر کر رہی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اس کی حرمت سے واقف نہیں، جبکہ حد اسی شخص پر نافذ کی جا سکتی ہے جو اس فعل کی حرمت سے واقف ہو۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے رجم کرنے کے بجائے سو کوڑے لگانے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دینے پر اکتفا کیا(۱۴)

۵۔ اشتباہ وشک کے پیش نظر

اشتباہ وشک کی وجہ سے بھی سزا میں تبدیلی کی مثالیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ذیل میں ایک مثال رقم کی جا رہی ہے۔ کہ کچھ غلاموں نے ایک شخص کی اونٹنی چرا کر اسے ذبح کر لیا تھا۔ ان کو حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؓ نے پہلے تو ان کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا پھر توقف فرمایا اور ان کے مالک سے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ تم انھیں پیٹ بھر کر کھانا نہیں دیتے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حد کے نفاذ کے بجائے غلاموں سے اونٹنی کے مالک کو تاوان دلایا جس کی رقم دوگنا تھی(۱۵)

مثال میں بظاہر حد کے نفاذ میں کوئی بیرونی عمل رکاوٹ کا باعث نہیں بن رہا، مگر اس کے باوجود حد کا ساقط کرنا امیر کے اس قیاس پر ہو رہا ہے کہ انہیں یہ شک پڑا کہ چوری کرنے والوں نے کسی مجبوری کی بنا پر یہ جرم کیا ہے اور اس جرم میں حدود کی سزا بوجہ شک نافذ نہیں کی گئی بلکہ اسے تعزیر میں بدل دیا گیا۔

۶۔ اضطراری حالت یا مجبوری کے پیش نظر

حدود اللہ کے نفاذ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ ہونے والا جرم کسی مجبوری یا اضطراری حالات کے پیش نظر تو سرزد نہیں ہوا۔ اگر ایسا مجرم جو اضطراری یا مجبوری کی حالت میں ارتکاب جرم کر رہا ہے اس پر حدود اللہ کے نفاذ کے ساقط ہونے کی مثالیں بھی کتب احادیث میں موجود ہیں۔

ایک موقع پر ایک خاتون زنا ہی کے جرم میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائی گئی اور اس نے بتایا کہ وہ نادار اور محتاج ہے اور لوگ اس پر ترس کھا کر اس کی مدد کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ چنانچہ وہ جسم فروشی کر کے کچھ نہ کچھ پیسے جمع کر لیتی ہے۔ یہ خاتون محصنہ ہونے کی بنا پر 'رجم' کی سزا کی مستحق تھی، لیکن سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے حالات کے پیش نظر اسے سو کوڑوں کی سزا دینے پر اکتفا کیا۔(۱۶)

خلفائے راشدین (حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ) کے زمانۂ قحط سالی میں چور پر قطع ید کی سزا نافذ نہیں کی جاتی تھی۔(۱۷)

۷۔اعتراف سے انحراف کے پیش نظر

اگر کسی شخص نے قاضی یا جج کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہو اور اس پر کوئی دعویٰ بھی نہ ہو، کوئی شہادت بھی نہ ہو، تو عدالت کے سامنے وہ اپنے اعتراف جرم سے انحراف کر دے تو حد ساقط کر دی جاتی ہے:

ماعز اسلمی نے جب زنا کا ارتکاب کیا تو اس کے سرپرست ہزال نے اسے ترغیب دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہونے کے لیے آمادہ کیا۔ ماعز کے پیش ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو بار بار اس سے اعراض کرتے ہوئے اسے واپس بھیجنے کی کوشش کی، لیکن جب اس نے سزا کے نفاذ پر اصرار کیا تو اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ پھر جب آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ ماعز سزا سے بچنے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ:ہلا ترکتموہ لعلہ ان یتوب فیتوب اللّٰہ علیہ'، یعنی تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، ممکن ہے کہ وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے اس کے سرپرست ہزال سے فرمایا کہ 'لو کنت سترتہ بثوبک کان خیرًا مما صنعت بہ'، یعنی اگر تم اپنی چادر سے اس کو ڈھانپ دیتے تو یہ اس سے بہتر ہوتا جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے(۱۸)

تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک باکرہ سے زنا کا اقرار جرم کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے اسے سو کوڑے لگوائے اور فدک کی سمت جلاوطن کر دیا۔(۱۹)

ایک مقدمے میں ایک چور کو آپ کے پاس لایا گیا جس نے چوری کا اعتراف تو کر لیا تھا، لیکن اس کے پاس سے چوری شدہ مال برآمد نہیں ہوا تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ میرے خیال میں تم نے چوری نہیں کی لیکن اس نے کہا کہ نہیں میں نے چوری کی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔(۲۰)

اعتراف جرم کرنے والا وہ جو اعتراف کرتا ہے در حقیقت وہ اپنے اس فعل پر شرمندہ ہے اور اس کا یہ فعل اس کی عادت کا ثبوت نہیں کہ وہ کسی کام کا عادی ہو چکا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں:

"رسول خدا ﷺ کے پاس ایک چور پکڑا ہوا آیا اور اس نے چوری کرنے کا اقرار کیا مگر اس کے پاس مال مسروقہ بر آمد نہ ہوا تو رسول خدا ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو نے چوری نہیں کی ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں۔ تو آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اس سے یہی ارشاد فرمایا تب آپ نے اس کے ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا۔ اور ایک مرتبہ ایک مجرم گرفتار ہو کر آیا تو آپ نے فرمایا کہو کہ میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ اس نے کہا میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس سے توبہ چاہتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی اللھم تب علیھس میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب گنہگار اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور وہ اس سے نادم ہے تو مناسب ہے کہ کسی حیلہ سے حد اس پر دور کر دی جائے" (۲۱)

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقرارِ جرم سے انحراف حدود اللہ کے نفاذ میں مانع ہے۔ ممکن ہے معترف کسی اور خوف یا رنج کی بنا پر اعتراف کر رہا ہو۔ جب کہ اور کوئی ثبوت بھی نہیں ہے لہٰذا معترف کا اپنے اعتراف سے بھاگ جانے پر سزا کا نفاذ روک دینے کا حکم ہے۔

۹۔ حد حرابہ میں معافی

قرآن مجید نے 'حرابہ' کی سزائیں بیان کرتے ہوئے یہ ہدایت کی ہے کہ اگر مجرم قانون کی گرفت میں آنے سے پہلے تائب ہو جائیں تو ان پر حد کا نفاذ لازم نہیں رہے گا (۲۲)

مفسرین کے نزدیک راہزن کی وہ سزا توبہ سے معاف ہوتی ہے جو شریعت میں بطور حد بیان کی گئی ہے جو حق اللہ کے زمرے میں آتی ہے تاہم بوقت راہزنی جو جرائم حق العبد کے ضمن میں سرزد ہوئے، وہ توبہ سے معاف نہ ہوں گے۔ جیسے قصاص، دیت وغیرہ (۲۳)

۱۰۔ حد قذف میں معافی

حد قذف چونکہ حق العبد ہے اس لیے بندے کے معاف کرنے پر یہ سزا معاف ہو جاتی ہے۔ اگر مقذوف قاذف کو معاف کر دے یا اپنے دعویٰ کی پیروی چھوڑ دے تو قاذف پر حد ساقط ہو جاتی ہے۔ قاذف پر حد کا نفاذ مقذوف کے عدالت میں دعویٰ دائر کرنے پر ہو گا خود بخود عدالت اس امر پر کوئی قدم نہ اٹھائے گی۔

قصاص

اب قصاص میں سزا کی معافی، تخفیف یا اس کو تعزیر میں بدلنا یا دیت میں معافی اور اس میں تخفیف کی بحث قلم بند کی جارہی ہے۔ در حقیقت یہاں پر آرٹیکل ۴۵ کے نفاذ کا عمل دخل زیادہ نظر آتا ہے۔

معافی قصاص کی صورتیں

یہ بات تو ثابت شدہ ہے کہ حق قصاص صرف اور صرف ولی کا حق ہے اور وہ ہی معاف کر سکتا ہے۔ اگر سربراہ ریاست کسی حق العبد پر مبنی سزا کو معاف کر سکتا ہے تو اس کے لیے وہ کون سے عوامل ہیں جن کی بنیاد پر وہ اختیار معافی استعمال کر سکتا ہے۔ کیا شریعت نے ان کی کوئی جزئیات بیان کی ہیں؟ اگر کی ہیں تو اہل علم ان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں نیز اس بحث میں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ مقتول کے ورثاء کو قصاص چھوڑنے اور دیت لینے پر کن حالات میں مجبور کیا جا سکتا ہے؟ قصاص کی معافی کی شریعت اسلامیہ میں درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ مقتول کا شرعی ولی نہ ہونا

قصاص لینے کا حق مقتول کے ولی کا ہے۔ چاہے تو وہ قصاص لے یا معاف کر دے۔ لیکن اگر کسی شخص کا وارث یعنی حقیقی ولی موجود نہ ہو تو یہ حاکم کا فرض ہے کہ وہ قصاص لے، کیوں کہ حاکم بھی بعد از حقیقی ولی کے رعایا کا ولی قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مقتول کے ولی نہ ہونے کی صورت میں حاکم قصاص لے۔

"یہ حق (قصاص کا) مقتول کے ولی کا ہے۔ اگر نسبی ولی کوئی موجود نہیں تو اسلامی حکومت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ (قصاص لے یا معاف کرے) بھی ایک حیثیت سے سب مسلمانوں کا ولی ہے" (۲۴)

۲۔ ریاستی امنِ عامہ کی بناپر

ریاستی امن عامہ کی بنا پر بھی قصاص ساقط کرنا قرین مصلحت ہے اور حاکم وقت اگر کسی قاتل کو معاف کر دے اور اس کے بدلے میں دیت لازم کر دے تو جائز ہے۔

مقتول غیر مسلم ہو تو حاکم وقت اس بات پر حالات کے موافق اگر کوئی فیصلہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یعنی وہ مقتول کے ورثاء کو دیت کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ غیر مسلم شخص کے قتل کا قصاص مسلمان سے لینا بعض آئمہ کے نزدیک جائز نہیں بلکہ دیت پر اکتفا ہو گا یہ بحث کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی کافر کو قتل کرنے والے مسلمان سے قصاص لیا جائے گا۔ ہاں اگر حاکم وقت یہ محسوس کرے کہ کافر کے قصاص میں مسلمان کا قتل حالات کو دگر گوں کر سکتا ہے تو قصاص کی جگہ پر دیت دلوا سکتا ہے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ جو" الاحکام السلطانیه" میں نقل کیا گیا ہے کہ قاضی ابو یوسفؒ نے ایک کافر کے قتل کا قصاص مسلمان سے لینے کا حکم جاری فرمایا تو اس پر حالات کشیدہ ہونے کا خدشہ ہوا۔ قاضی صاحب نے یہ معاملہ حاکم وقت کے سامنے رکھا اور اس پر رائے طلب کی تو حاکم وقت نے فتنہ کے ڈر سے مناسب رائے اختیار کرنے کو کہا تو قاضی صاحب نے اصحاب دم سے صحت ذمہ اور ثبوت بینہ طلب کی وہ اس کو پیش نہ کر سکے اس پر قاضی صاحب نے قصاص ساقط کر دیا۔ نیز لکھا ہے

"مصلحت کے وقت ایسی صورت اختیار کرنا جائز ہے" (۲۵)

جرم کی نوعیت و کیفیت اور مجرم کے حالات کی رعایت کرنا اور اگر وہ کسی پہلو سے معاف کیے جانے کا مستحق ہو تو اسے معاف کر دینا درست ہے۔ شریعت ہر حال میں جرم پر سزا کا نفاذ نہیں چاہتی بلکہ جرائم کا سد باب چاہتی ہے اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس جرم پر سزا ہر حال میں لازمی اور ضروری ہے مجرم کی اصلاح سزا کے علاوہ ممکن نہیں اور جرائم کا سد باب نہیں ہو سکے گا تو سزا دینا ہی قرین مصلحت ہے۔ اگر جرم کی

نوعیت و کیفیت اور مجرم کے حالات کسی رعایت کا تقاضا کر رہے ہوں تو ان حالات میں سزا کا نفاذ عدل و انصاف کے تقاضوں کے برعکس ہے جو شریعت کے خلاف ہے۔

۳۔ قطع الطریق یا بغاوت پر سربراہ ریاست کا اعلان معافی

قطع الطریق سے مراد راستہ کاٹنے والے یعنی راہزن اور ڈاکو۔ ایسے لوگوں کے لیے جو حد بیان کی گئی ہے وہ انتہائی سخت ہے۔ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تخفیف ہے کہ اگر یہ لوگ قبل از گرفتاری توبہ کر لیں تو اگر، انہوں نے کسی کو بوقت رہزنی قتل بھی کیا ہو گا تو بعد از سچی توبہ اس پر شرعی حد موقوف ہو جائے گی دوسری صورت میں حکومت خود ان کو توبہ کا راستہ مہیا کرے اور وہ لوگ سچے دل سے توبہ کر لیں، کیوں کہ آیت محاربہ میں شریعت نے توبہ کا راستہ کھلا رکھا ہے اور اگر حکومت کی طرف سے یہ پیش کش ہو جائے تو فتنہ کے سدباب اور امن عامہ کے پیش نظر یہ اعلانِ معافی خلاف شریعت نہ ہو گا۔

درج ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں

> "بنو اسد کا علی نامی ایک شخص بغاوت پر اتر آیا، اس نے لڑائی کی، راستے پر خطر بنا دیے، لوگوں کو قتل کیا اور مال لوٹا، قائدینِ لشکر اور عوام الناس سب اسے تلاش کرتے رہے لیکن اس کا کوئی سراغ نہ لگا سکے۔ آخر کار توبہ تائب ہو کر خود ہی پیش ہو گیا۔۔ چنانچہ اس نے اپنی تلوار کو نیام میں ڈالا اور مسجد نبوی میں صبح کی نماز ادا کی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں یہ بھی بیٹھ گیا، جب صبح کی روشنی پھیلی تو لوگوں نے اسے پہچان لیا۔ اسے پکڑنے کے لیے اٹھے تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھے نہیں پکڑ سکتے کیونکہ تمہارے قابو میں آنے سے پہلے پہلے میں تائب ہو کر خود ہی آ گیا ہوں، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے، پھر آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے مروان بن حکم کے پاس لے گئے جو اس وقت حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا آپ اُسے فرمانے لگے یہ علی ہے، یہ تائب ہو کر آیا ہے اس لیے تم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی قتل کر سکتے ہو، چنانچہ اس سے کچھ بھی تعرض نہ کیا گیا"(۲۶)

مولانا محمد شفیعؒ نے آیت حرابہ کی تشریح میں واقعہ مذکورہ کو خفیف سی تبدیلی کے ساتھ لکھا ہے اور بغاوت کے حوالے سے بھی ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

"اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں حارثہ بن بدر بغاوت کر کے نکل گیا اور قتل و غارت گری کو پیشہ بنالیا، مگر پھر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور توبہ کر کے واپس آیا، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر حد شرعی جاری نہیں فرمائی۔"(۲۷)

مگر ساتھ ہی حقوق العباد کے ضمن میں لکھتے ہیں

"شرعی حد معاف ہو جانے سے لازم نہیں آتا کہ حقوق العباد جن کو اس نے ضائع کیا ہے وہ بھی معاف ہو جائیں، بلکہ اگر کسی کا مال لیا ہے اور وہ موجود ہے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے اور کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے تو اس کا قصاص اس پر لازم ہے، البتہ قصاص حق العبد ہے تو اولیاء مقتول یا صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہو جائے گا، اور جو کوئی مالی نقصان کسی کو پہونچایا ہے اس کا ضمان ادا کرنا یا اس سے معاف کروانا لازم ہے، امام اعظم ابو حنیفہ اور جمہور فقہاء کا یہ مسلک ہے"(۲۸)

حالات کے پیش نظر قصاص کی معافی

ابو لولو مجوسی نے سیدنا حضرت عمرؓ کو شہید کر دیا تو ان کے بیٹے عبید اللہ نے جوش انتقام سے مغلوب ہو کر قتل کی سازش میں شریک ہونے کے شبہ میں فارس کے نو مسلم جرنیل ہرمزان، ایک نصرانی جفینہ اور ابو لولو کی بیٹی کو قتل کر دیا۔ ان میں سے ہرمزان اور ابو لولو کی بیٹی پہلے سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس موقع پر سیدنا حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا کہ عبید اللہؓ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ بعض صحابہ نے کہا کہ یہ مناسب نہیں ہو گا کہ کل عبید اللہ کے والد شہید ہوئے ہیں اور آج اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ سیدنا حضرت عمرؓ کی شہادت اور اس مخصوص جذباتی کیفیت کی رعایت کرتے ہوئے جس میں عبید اللہ نے تہرے قتل کا ارتکاب کیا تھا، اس سے قصاص نہ لینے کا فیصلہ کیا گیا(۲۹)

بوجہ مفلسی بھی قصاص اور دیت معاف کرنے کی مثال کتب احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی طرح ایک قصاص اور دیت کو بوجہ مفلسی معاف کر دیا۔ اس حدیث کو امام نسائیؒ نے ذکر کیا ہے۔

عن عمران بن حصين ان غلاما لآناس فقراء قطع أُذن غلام لأُناس اَغْنياء فاَ توا النبيَّ صلى الله عليه وسلم فلم يجعل لهم شيئاً (۳۰)

"عمران بن حصین سے روایت ہے کہ مفلس لوگوں کا ایک غلام تھا اس نے مالداروں کے ایک غلام کا کان کاٹ دیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان کو کچھ نہیں دلوایا، (کیوں کہ اس کا مالک مفلس تھا اور اگر دولت مند ہوتا تو دیت ادا کرنا پڑتی)

اگر دیکھا جائے تو اصولی طور پر ان مقتولوں کا قصاص لیا جانا چاہیے تھا جو اسلام کا بنیادی قصاص کا اصول ہے یا کم از کم ان کی پوری دیت ادا کی جانی چاہیے تھی، تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتباہ و شک کے تناظر میں قاتلین سے قصاص بھی نہیں لیا اور انھیں آدھی دیت بھی معاف کر دی جبکہ تیسری مثال میں بوجہ مفلسی تمام معاف کر دیا گیا اور مالدار مالک کو مفلسوں سے کچھ نہیں دلوایا۔ یہ وہ مثالیں تھیں جن کی بنا پر ایک سربراہ ریاست کو حق قصاص میں معافی کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔

حق العبد پر یہ اصول مسلمہ ہے کہ جب تک کوئی اپنے حق کے لیے عدالت سے رجوع نہیں کرتا اس وقت تک عدالت خود بخود اس حق کی ادائیگی کے لیے دعویٰ یا مقدمہ نہ چلائے گی۔ اب اگر کسی نے عدالت میں یہ دعویٰ دائر کیا ہو کہ اس نے میرے قریبی رشتہ دار کو قتل کیا ہے تو اس وقت عدالت قصاص پر کاروائی کرے گی۔ اور یہ بذمہ مجرم ہے کہ وہ مقتول سے قصاص معاف کروائے، یا دیت پر رضامندی لے۔ جب تک مقتول کے ورثاء کو دیت ادا نہیں کی جائے گی اس وقت تک اس کی معافی باوجود توبہ کے بھی نہیں ہو سکتی۔ لہذا ضروری ہے کہ مقتول کے ورثاء کو یہ دیت قاتل سے دلوائے یا حکومت خود بیت المال سے دیت ادا کرے کیوں کہ عام معافی حکومت کی طرف سے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حاکم کا قصاص کی بجائے دیت لینے پر ورثاء کو مجبور کرنا

شریعت اسلامیہ سزا کی تنفیذ چاہتی تو ہے مگر اس کا رجحان معافی کی جانب زیادہ ہے۔ اگر سربراہ ریاست یہ ضروری خیال کرے کہ معاف کرنے میں مصلحت ہے تو مقتول کے ورثاء کو دیت لینے پر مجبور کر سکتا ہے۔ سزا پر معافی کی طرف رغبت دلانا آپ ﷺ کا مقدس عمل کثرت سے نظر آتا ہے جس کی مثالیں کتب احادیث میں دیکھی جاسکتی ہیں: چنانچہ درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عن انس بن مالک قال مارآیت النبی ﷺ رفع الیه شیئ فیه قصاص الا امر فیه بالعفو(۳۱)

"حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ کوئی قصاص کا مقدمہ آپ کے پاس آیا مگر یہ کہ آپ اس میں معاف کرنے کی ترغیب دیتے"

اسی طرح متعدد احادیث میں یہ بات منقول ہے کہ جب کبھی بھی آپ ﷺ کے سامنے کوئی قتل کا مقدمہ آتا اور آپ ﷺ اس کا فیصلہ فرماتے تو مقتول کے وارث کو جہاں تک ممکن ہوتا قصاص کی بجائے دیت لینے کی ترغیب دیتے۔ بعض مقامات پر تو آپ ﷺ نے مقتول اور قاتل دونوں کو جہنم میں جانے کی وعید سنائی علماء نے لکھا ہے کہ اس وعید میں درحقیقت مقتول کے ورثاء کو قصاص کی بجائے دیت یا معاف کرنے کی طرف راغب کرنا ہے، صحیح مسلم میں روایت ہے۔

" سماک بن حرب، علقمہ بن وائل سے بیان کرے ہیں کہ ان کے والد وائل نے انھیں بتایا کہ وہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص ایک آدمی کو چمڑے کی رسی میں باندھے ہوئے آپ ﷺ کے پاس لایا اور عرض کیا کہ یہ میرے بھائی کا قاتل ہے۔ آپ ﷺ پوچھا کیا تونے اسے قتل کیا؟ اور ساتھ ہی مدعی سے فرمایا کہ اگر اس نے اعتراف جرم نہ کیا تو تجھے ثبوت پیش کرنا ہوگا۔ لیکن اس نے اقرارِ قتل کرلیا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا کہ تونے قتل کیسے کیا؟ مجرم نے کہا کہ میں اور اس کا بھائی درخت کے پتے جھاڑ رہے تھے کہ اس نے مجھے گالی دی اور غصہ دلایا۔ میں نے یہ پتے جھاڑنے والا آلہ اس کے ماتھے پر مارا جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔ نبی کریم ﷺ

نے پوچھا'هل لک من شئی تؤديه عن نفسک'کیا تیرے پاس دیت کے لیے کچھ ہے؟ اس نے کہا میرے پاس تو یہی ایک کملی اور پتے جھاڑنے کا آلہ ہے۔ آپ ﷺ دوبارہ پوچھا'فتری قومک يشترونک'کیا خیال ہے کیا تری قوم تجھے خرید لے گی؟ مجرم نے کہا میری قوم میں میری اتنی قدر و قیمت نہیں کہ وہ میری دیت دیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے وہ رسی جس میں وہ بندھا ہوا تھا مدعی کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا'دونک صاحبک'یعنی اپنے اس آدمی کو لے جاؤ۔ وہ شخص قاتل کو لے کر چل دیا۔ جب مڑا تو آپ ﷺ نے فرمایا' ان قتله فهو مثله'اگر اس نے اسے قتل کر دیا تو وہ بھی اس کی مانند ہو گا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر مقتول کا بھائی پلٹا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ﷺ کیا آپ نے ایسا فرمایا ہے کہ اگر میں نے اسے قتل کر دیا تو میں بھی اسی کے مانند ہونگا۔ حالانکہ میں نے اسے آپ کی اجازت سے اپنے قبضہ میں لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ یہ شخص تیرے اور تیرے بھائی کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے "(۳۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب مقتول کا وارث قاتل کو پکڑ کر لے جانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: " قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے، تو ایک شخص مقتول کے وارث سے ملا اور اسے نبی ﷺ کا یہ ارشاد بتایا تو اس نے قاتل کو رہا کر دیا"(۳۳)

مذکورہ حدیث میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے طرز عمل میں اس بات کا تقاضا تھا کہ قاتل کو قصاص کی بجائے دیت دلائی جائے اور اگر قاتل یا قاتل کی قوم دیت دے دیتی تو آپ ﷺ مقتول کے وارث کو قصاص کی بجائے دیت لینے کا حکم فرماتے، گویا کہ مقتول کے ورثاء کو دیت لینے پر بحکمِ رسول مجبور ہونا پڑتا۔ اس حدیث کے آخر میں قاتل کو رہا کروانا بھی اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ جہاں تک کوئی راستہ نکل سکتا ہو قصاص سے بچا جائے اور دیت پر حکم صادر کیا جائے۔

تاہم جمہور آئمہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ مصلحت کے پیش نظر قصاص سے بچا جائے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی رائے اس سے مختلف ہے کہ قصاص ضروری ہے۔(۳۴)

صحیح سنن ابو داؤد میں ایک حدیث رقم کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے ورثاء کو قصاص کے بجائے دیت لینے پر مجبور کیا اور قصاص موقوف کر دیا۔

"حدیث عروہ بن زبیر: اپنے باپ سے حدیث بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ موسیٰ اور ان کا دادا، دونوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک تھے وہ کہتے ہیں کہ محلم بن جثامہ نے اشجع قبیلہ کے ایک فرد کو ابتدائے اسلام میں قتل کر دیا اور وہ پہلی دیت ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فیصلہ کیا۔ پس عُیینہ نے مقتول کی طرف سے گفتگو کی، اس لیے کہ وہ قبیلہ غطفان سے تھا اور اقرع بن حابس نے محلم کی طرف سے گفتگو کی، کیونکہ وہ خندف میں سے تھا تو بہت سی آوازیں بلند ہوئیں اور طرفین کی جانب سے شور وغل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اے عُیینہ تو دیت نہیں لے لیتا، عُیینہ نے کہا نہیں! اللہ کی قسم! میں دیت نہ لوں گا۔ جب تک کہ میں اس کی عورتوں کو وہی صدمہ اور رنج نہ دوں جو میری عورتوں کو پہنچا ہے۔ پھر آوازیں بلند ہوئیں اور خوب جھگڑا اور شور غل مچا۔ رسول اللہ نے فرمایا: 'اے عُیینہ تو دیت قبول کیوں نہیں کر لیتا۔ عُیینہ نے ویسا ہی جواب دیا۔ یہاں تک کہ بنی لیث کا ایک آدمی کھڑا ہوا جس کو مکتیل کہا جاتا تھا، وہ ہتھیار باندھے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھ میں چمڑے کی ڈھال تھی اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! شروع اسلام میں اس قاتل کی مثال ایسی ہے جیسے چند بکریاں کسی چشمے پر پانی پینے آئیں جو پہلے آئیں ان کو تیر مار دیا تو پچھلی سب بھاگ گئیں۔ آج ایک سنت قائم کیجئے تاکہ وہ کل تبدیل نہ کرنی پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے محلم سے فرمایا کہ پچاس اونٹ اب دے دو اور پچاس مدینہ واپس جا کر دے دینا" (۳۵)

آپ ﷺ کا یہ عمل اس بات پر دلیل ہے کہ اگر حاکم یہ محسوس کرے کہ قصاص کے بجائے دیت لینے میں انصاف بھی ہے اور حالات کا تقاضا بھی ہے تو قصاص کی بجائے دیت دلا کر معاف کر دے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ جس میں آپ ﷺ نے ورثاء کو قصاص کے بدلے میں مال کی آفر کی اور وہ راضی نہ ہوئے

پھر آپ ﷺ نے مال بڑھایا تو وہ راضی ہوئے اور قصاص معاف کر دیا۔ اس معاملہ پر درج ذیل حدیث رہنمائی کرتی ہے:

عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم بعث ابا جهم بن حذیفة مصدقافلاحه رجل فی صدقته فضربه ابو جهم فا توا النبی صلی الله علیه وسلم فقالوا القود یا رسول الله فقال لکم کذا و کذا فلم یرضوا به فقال لکم کذا وکذا به فقال النبی صلی الله علیه وسلم انی خاطب علی الناس و مخبرهم برضاکم قالوا نعم فخطب النبی صلی الله علیه وسلم فقال ان هؤُلاءِ اتونی یریدون القود فعرضت علیهم کذا وکذا فرضوا قالوا لا فهم المهاجرون بهم فامرهم رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یکفوا فکفوا ثم دعاهم قال ارضیتم قالوا نعم قال فإنی خاطب علی الناس و مخبرهم بر ضاکم قالوا نعم فخطب الناس ثم قال ارضیتم قالوا نعم۔(۳۶)

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے ابو جہم بن حذیفہ کو صدقہ وصول کرنے کے واسطے بھیجا۔ ایک شخص نے ان سے لڑائی کی صدقہ دینے میں، حضرت ابو جہم نے اس شخص کو مارا وہ شخص خدمت نبوی ﷺ میں آیا اور اس کے متعلقین بھی آئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا قصاص دے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اس قدر اس قدر لے لو، لیکن وہ لوگ نہ مانے، آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اب تم اس قدر لے لو۔ جب وہ لوگ رضامند ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں خطبہ دوں گا لوگوں کے سامنے اور میں ان کو تمہارے رضامند ہونے کی اطلاع دوں گا، انہوں نے عرض کیا اچھا! جس وقت آپ ﷺ نے خطبہ دیا تو فرمایا یہ لوگ میرے پاس قصاص مانگنے آئے، میں نے ان لوگوں کو اس قدر مال دینے کے واسطے کہا وہ رضامند ہو گئے اس پر ان لوگوں نے کہا ہم رضامند نہیں ہوئے چنانچہ مہاجرین نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ ٹھہر جاؤ، وہ لوگ ٹھہر گئے پھر آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلایا اور فرمایا تم رضامند نہیں ہوئے؟ ان لوگوں نے عرض کیا جی ہاں، راضی ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو میں خطبہ دیتا ہوں اور میں لوگوں کو تم لوگوں کی خوشنودی کی اطلاع دیتا ہوں انہوں

نے کہا اچھا، پھر آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور ان سے دریافت کیا، تم رضامند ہو گئے ہو تو انہوں نے کہا جی ہاں"

مذکورہ حدیث میں لوگوں کا رضامند نہ ہونا اور پھر بعد میں بغیر کسی وجہ کے راضی ہو جانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ اس بات سے ڈر گئے تھے جب مہاجرین نے ان کو سزا دینے کا ارادہ ظاہر کیا اور آپ ﷺ کے اب کے بار پوچھنے پر راضی ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ رضامندی میں اگر مصلحت ہو تو زبردستی بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر ابن کثیر میں آیت فمن عفی لہ کی تشریح میں مختلف فقہا اور مفسرین کی آراء کو رقم کیا ہے اور لکھتے ہیں:

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عفو سے مراد یہ کہ قتل عمد میں دیت لے لی جائے قصاص نہ لیا جائے۔ یہی ابو العالیہ، ابو شعلہ، مجاہد اور سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے۔ ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ قصاص واجب ہونے کے بعد دیت لے لے قصاص معاف کر دے"(۳۷)

قصاص کے معاف کرنے کی اور بھی مثالیں کتب احادیث میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

حدود اللہ اور قصاص یہ ان جرائم سے متعلق سزائیں ہیں جن پر سربراہ ریاست کے معاف کرنے کے اختیار کو آئینی و شرعی تناظرات میں دیکھا گیا ہے۔ اس تمام بحث میں جو بنیادی نقطہ حاصل ہوتا ہے کہ شریعت ہر حالت میں سزا دینے سے گریز کرتی ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے سزا کے نفاذ کو موخر کرنے، سزا میں تخفیف کرنے یا اس میں ترمیم کرنے پر آمادہ نظر آتی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث مبارکہ سے اس دعویٰ کی مزید تقویت ملتی ہے۔

ام المومنین عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادرء وا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ فى العفو خير من ان يخطئ فى العقوبة(۳۸)

"جہاں تک ہو سکے، مسلمانوں سے سزاؤں کو ٹالو۔ پس اگر تمھیں کسی مسلمان کے لیے سزا سے بچنے کا کوئی راستہ ملے تو اس کو چھوڑ دو، کیونکہ حاکم کا معاف کر دینے میں غلط فیصلہ کرنا کسی کو سزا دینے کے غلط فیصلہ کرنے سے بہتر ہے"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ضمن میں ارباب حل وعقد کے لیے بھی یہ راہنما اصول بیان فرمایا ہے کہ ان کی اصل دلچسپی مجرم کو سزا دینے سے نہیں، بلکہ عدل وانصاف کے حدود میں رہتے ہوئے اس کے لیے معافی کی گنجائش تلاش کرنے سے ہونی چاہیے۔

یہ تو وہ معاملات تھے جس پر ایک صاحب اقتدار کو کسی بھی ایسی بنا پر سزا کے معاف کرنے یا مقتول کے ورثاء کو حق دیت لینے پر قائل کیا جاسکتا ہے اور مذکورہ مثالوں میں ہم نے کچھ دیکھ بھی لیا ہے۔ جہاں تک کسی شرعی گنجائش کا تعلق ہے تو سربراہِ ریاست اس میں اپنا صوابدیدی اختیار عدل وانصاف میں رہتے ہوئے استعمال کر سکتا ہے مگر کلیۃً یہ اختیار حاکم وقت کے پاس نہیں ہے کہ وہ اپنے مرضی یا کوئی بھی ایسی وجہ جو عدل وانصاف اور احکام شریعت کے منافی ہو استعمال کرے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ صریحاً شریعت کے خلاف تو ہو گا ہی بلکہ ریاست پاکستان کے آئین کے خلاف بھی ہو گا جس کی پاسداری اور تابعداری کا اس نے حلف اٹھایا ہے۔ اسی موضوع کے تناظر میں ڈاکٹر محمود غازی صاحب کے خطبہ سے ایک اقتباس ذیل میں رقم ہے۔

محاضرات فقہ میں ڈکٹر محمود غازی صاحب سربراہ ریاست کے اختیارت معافیِ سزا پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"جہاں تک حدود کے نفاذ کا تعلق ہے تو سربراہِ ریاست کے پاس حدود کی سزائیں اس اطلاع کے لیے بھی آتی ہیں کہ وہ یہ دیکھ سکے کہ یہ سزا صحیح طور پر دی گئی ہے، کیا واقعی یہ شخص حد کا مرتکب تھا۔ سزا دینے میں شریعت اور قانون کے تمام تقاضے پیش نظر رکھے گئے ہیں۔ اگر وہ اس پر مطمئن ہو جائے تو پھر وہ لازمی طور پر سزا کی توثیق کرے گا۔ اسے کوئی اختیار نہیں ہے کہ اس کو معاف کرے۔ پاکستان میں بھی یہی قانون ہے۔ اگرچہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آرٹیکل ۴۵ میں لکھا ہوا ہے کہ کسی بھی عدالت سے ملنے والی سزا کو کم کرنے، بدلنے یا ختم کرنے کا اختیار صدر پاکستان کو حاصل ہے۔ لیکن ہمارے ہاں اعلیٰ عدالتوں کا فیصلہ بھی

ہے اور آج سے بیس سال پہلے کا ایک صدارتی حکم بھی ہے۔ اس حکم کے مطابق صدر پاکستان نے ۱۹۷۹ء سے لے کر آج تک حد کی کوئی سزا ختم نہیں کی۔ قصاص کی سزا بھی ختم نہیں کی کیونکہ اس میں معاف کرنے کا حق متضرر افراد کا ہے۔ وہ چاہیں یعنی مقتول کے ورثا چاہیں تو معاف کر دیں اور نہ چاہیں تو معاف نہ کریں۔ لیکن حدود اور قصاص کے علاوہ بقیہ تمام معاملات میں صدر پاکستان کو آرٹیکل ۴۵ کے تحت اختیار حاصل ہے کہ سزا کو معاف، ختم یا کم کر دے۔ ان میں تعزیر کی سزائیں بھی شامل ہیں"(۳۹)

مندرجہ بالا اقتباس میں یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ کسی بھی اسلامی ریاست کے سربراہ کے پاس یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بلا کسی عذر اور شرعی وجہ کے اسلامی سزاؤں کو خواہ وہ حق اللہ ہوں یا حق العبد ہوں معاف کرنے کا اختیار استعمال کرے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے سربراہ ریاست اور سربراہ عدالت کے اپنے فیصلہ میں یہ بات متعدد مرتبہ دہرائی اور نصیحت فرمائی ہے کہ حدود اور دوسرے معاملات جن پر سزائیں لازمی اور غیر اختیاری ہیں یعنی جن پر حاکم یا قاضی کے معاف کرنے کا اختیار ختم ہو جاتا ہے وہ معاملات عدالت لانے سے قبل اپنے درمیان طے کر لیا کرو اور جب عدالت میں آجائیں تو ان کے معاف کرنے کا اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ سوائے حق العبد کے جو کسی بھی درجہ پر معاف کی جاسکتی ہے۔

ہمارے موضوع بحث میں سربراہ ریاست کے سزا کی معافی کے اختیار اور اس کی شرعی حیثیت تو مندرجہ بالا تمام بحث میں واضح ہو گئی ہے جس سے بطریق احسن ہم یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ حاکم کا یہ اختیار کب اور کس وقت جائز ہے اور کس وقت شریعت و آئین کے خلاف ہے۔

حدود اللہ اور قصاص کی سزا کے علاوہ تعزیر تیسرے درجہ کی سزا ہے جو خالصتاً امورِ ریاست پر مبنی قوانین پر نافذ کی جاتی ہے۔ اس پر تمام علماء و فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ قاضی یا حاکم کی صوابدید پر مبنی ہے وہ جرم اور مجرم کی نوعیت کے مطابق فیصلہ کرے کہ کس مجرم کے لیے کتنی سزا کا نفاذ ضروری ہے اور کس کو کلیۃً معاف کرنا ہے۔ شریعت نے تعزیر میں یہ صوابدیدی اختیار حاکم یا قاضی کو عدل و انصاف کے دائرہ میں رہتے ہوئے اختیار کرنے کی اجازت دی ہے اور اسی پر حاکم کی اخروی باز پرس اور احتساب کا دارومدار ہے۔

صدر کے اجازت نامہ کی شرعی حیثیت

اب ہم اس سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں کہ اگر عدالت عظمیٰ کی فیصلہ شدہ سزا کو ریاست کا سربراہ معاف کرتا ہے تو کیا یہ عدالت پر بد اعتمادی یا انصاف میں سقم ہے تو اس سوال کا جواب یہ نہیں کہ عدالت نے جو فیصلہ کیا ہے وہ غلط ہے یا اس نے انصاف سے ہٹ کر کوئی فیصلہ کیا بلکہ شریعت کے اصول کے مطابق کسی قاضی یا جج کا معاف کرنے میں غلطی کرنا بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے اور اسی بنا پر سزاؤں کے نفاذ میں خلفاء راشدین کے دور میں بالخصوص حضرت عمرؓ کے دور میں یہ حکم جاری کیا گیا تھا کہ جب بھی عامل یا گورنر کسی سزا کا نفاذ کرنا چاہے تو بغیر امیر المومنین کی اجازت کے سزا نافذ نہیں کر سکے گا۔ عدالت نے تمام ثبوت کے ساتھ اپنی استعداد کے مطابق جو فیصلہ کیا ہے وہ اپنی جگہ پر درست اور صحیح ہے مگر سزا دیتے وقت سربراہِ ریاست بھی اپنی فراست اور حکیمانہ طرز عمل سے اس بات پر غور کرے گا کہ کہیں سزا کے نفاذ میں کوئی غلطی تو نہیں ہو رہی یا کوئی ایسی بات جس سے سزا معاف ہو سکتی ہے یا سزا میں تخفیف ہو سکتی ہے تو جبکہ عدالت اس پر قادر نہ تھی کیونکہ اس نے لکھے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ سنایا ہے تو سربراہ ریاست کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ہر لحاظ سے سزا سے پہلے معاملہ کو بنظر غائر دیکھے کہ اگر کہیں تھوڑی سی بھی معافی سزا کی گنجائش نکلتی ہے تو اس کو ضرور مد نظر رکھے۔

لہٰذا سربراہ ریاست کا بعد از مقدمہ کے فیصلہ کے سزا کا معاف کرنا نہ تو عدالت کے کردار پر کوئی حرف اٹھاتا ہے اور نہ ہی عدالتی نظام کے سقم کی طرف کوئی اشارہ کرتا ہے۔ یہ امیر کی فراست اور حکمت عملی کے پہلو کو ظاہر کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے آئین میں یہ درج کیا گیا کہ کسی بھی بڑی سزا یعنی سزائے موت یا حدود اللہ پر مبنی سزا کا آخری اجازت نامہ صدر مملکت سے حاصل کرنا ضروری ہے اور بغیر اس اجازت نامہ کے حصول کے کسی مجرم کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس سلسلہ میں محاضرات فقہ میں ڈاکٹر محمود غازی صاحب فرماتے ہیں:

> "ایک اور چیز جو کم سے کم حضرت عمر فاروقؓ سے چلی آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ جو بنیادی سزائیں جن کو انگریزی میں Capital Punishments کہتے ہیں یعنی سزائے موت اور قطع اعضا

کی سزا۔ یہ سزائیں سربراہ ریاست کی توثیق کے بعد نافذ کی جاتی ہیں، سیدنا عمر فاروقؓ نے یہ ہدایت جاری فرمائی تھیں کہ قطع ید اور سزائے موت کی سزاؤں پر میری منظوری اور توثیق کے بعد ہی عمل کیا جائے۔ اس وقت سے آج تک یہ اصول چلا آرہا ہے۔ اب دنیا کے تقریباً ہر ملک میں یہ قاعدہ بن گیا ہے کہ ہر کیپیٹل پنشمنٹ سربراہ ریاست کی منظوری کے بعد ہی نافذ کی جاتی ہے"(۴۰)

حضرت عمر فاروقؓ کے اس حکم نامہ سے یہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ ان کو اس وقت کے قاضیوں پر شک تھا یا وہ علمی استعداد کے مالک نہ تھے کہ ان کے فیصل شدہ سزا پر عمل درآمد کروانا انصاف کا خون تھا۔ بلکہ تاریخ میں بہت سے ایسے واقعات درج ہیں جہاں پر خلیفہ وقت نے کسی شخص کو سزا سنائی اور اس وقت کے مفتی یا قاضی نے اس پر اپنی رائے دی جس پر وہ سزا معاف کی گئی یا اس میں ترمیم کر دی گئی۔ حضرت عمر کی فراست اور دیانت و حکمت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ بہت سے ایسے مواقع آئے ہیں کہ دور نبوی میں کسی بات پر رائے طلب کی گئی تو عمرؓ کی رائے کو قرآن نے مقدم کیا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا گیا۔ وہ حضرت عمرؓ اپنے بعض فیصلوں کو حضرت علیؓ کے قول کے مطابق تبدیل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہ وہ اصول ہے جس پر سزا کے نفاذ میں غلطی سے بچنے کے لیے یہ احتیاط رکھی گئی ہے کہ حاکم وقت یا سربراہ ریاست کی اجازت کے سوا کسی بھی بڑی سزا پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور اگر سربراہ ریاست اپنی بصیرت سے کوئی سزا معاف کرتا ہے تو شریعت اسے جائز تصور کرتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں انتہائی غیر جانبدار ہو کر حکم نافذ کرے ورنہ اللہ کی صفت کاملہ: إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔(۴۱)"اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات" سے بچ نہیں سکتا اور اس پر جوابدہی ہو کر رہے گی۔

خلاصہ بحث

کسی بھی ریاست کو چلانے کے لیے نظام جزا و سزا کا تصور انتہائی اہم اور ضروری ہے۔ معاشرتی امن و امان کی بنیاد عدل ہے اور عدل جزا و سزا کے تصور کا عکاس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس نے انسان کی فطرت کے عین مطابق جو نظام جزا و سزا قائم فرمایا ہے اسی میں انسان کے لیے ابدی راحت اور کامیابی مسلمہ ہے۔ معاشرہ کو اخلاقی اور قانونی انحطاط سے محفوظ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نظام سزا نافذ ہے وہ درج ذیل ہے۔

نظام سزا بشکل حدود اللہ

نظام سزا بشکل قصاص و دیت

نظام سزا بشکل تعزیر

شریعت کے اٹل قوانین میں ترمیم یا تخفیف کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے اس پر تمام امت مسلمہ کا اتفاق ہے اور شریعت کے وہ اٹل قوانین حدود اللہ کے نام سے موسوم ہیں۔ ان قوانین کو بعد از ثبوت کے من و عن نافذ کرنا حاکم وقت پر فرض ہے۔ ہاں ان کے نافذ کرنے سے قبل ان کو ثابت کرنا انتہائی اہم ہے جس میں لفظ استثناء کا سہارا لے کر ان کے عدم نفاذ کی گنجائش نظر آتی ہے۔ اسی طرح قصاص میں حق العبد ہونے کی بنا پر بھی معافی کی گنجائش نظر آتی ہے۔ تعزیر کا معاملہ چونکہ حاکم کے سپرد ہے اس لیے اس میں حاکم وقت کا معاف کرنا یا سزا دینا عدل کو مد نظر رکھتے ہوئے جائز ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱ ۔ **آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان**، منصور بک ہاؤس۔ ۲ کچہری روڈ انار کلی لاہور، آئین پاکستان۔ ص:۶۳، آرٹیکل ۴۵

۲۔ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، **نیل الاوطار**، دار الحدیث مصر طبع اول، ۱۴۱۳، ج۷، ص ۱۰۳

۳۔ محمد شفیع، **معارف القرآن**، مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید، ربیع الثانی، ۱۴۲۹ھ، اپریل، -۲۰۰۸ء، ج۳، ص ۱۱۸

۴ ۔ حلبی، علی ابن برہان الدین، **ام السیرۃ** (سیرۃ حلبیہ، اردو ترجمہ)، مولانا محمد اسلم قاسمی، دار لاشاعت، اردو بازار، کراچی، مئی ۲۰۰۹ء، ج۶، ص ۱۵۸

۵۔ قشیری، مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح** ، ترجمہ، مولانا عابد الرحمان صدیقی کاندھلوی، ادارہ اسلامیات، سن اشاعت، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ، اپریل- ۲۰۰۷ء، لاہور، اور ، کتاب القسامۃ، حدیث، ۱۸۴۷، ص: ۲/ ۶۵۵

۶ ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، **حجۃ اللہ البالغہ**، مترجم، مولانا خلیل احمد، کتب خانہ شان اسلام، راحت مارکیٹ اردو بازار، لاہور، (س ن) پاکستان، ص ۵۳۱

۷ ۔ قشیری، مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح** ، (مترجم)، کتاب الحدود، حدیث، ۱۹۲۷، جلد دوم، ص:۶۸۹

۸ ایضاً، کتاب الحدود، باب تاخیر الحد عن النفساء، رقم الحدیث، ۱۷۰۵

۹ ۔ نسائی، احمد بن شعیب، **السنن**، کتاب آداب القضاۃ، باب توجید الی کم الی من اخبر انہ زنی، المطبوعات الاسلامیہ حلب، ۱۹۸۶ء، رقم الحدیث ۵۴۱۲

۱۰ ۔ مصنف عبد الرزاق، للحافظ لکبیر، ابی بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی (۱۲۶ھ تا ۲۱۱ھ) **المصنف**، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۳، حدیث ۱۸۷۶۶، باب السرق، جلد دہم، ص ۱۸۶

۱۱ ۔ ترمذی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، **جامع ترمذی**، اردو ترجمہ، مولانا ناظم الدین، مکتبۃ العلم، اردو بازار، لاہور (س ن) حدیث، ۱۴۷۸

۱۲ ۔ ابن کثیر، حافظ عماد الدین، ابو الفداء، **البدایہ والنہایہ**، مترجم، مولانا اختر فتح پوری، سن ۱۹۸۸ء، نفیس اکیڈمی، کراچی، البدایہ والنہایہ، جلد دوم، ص ۵۵۹

۱۳ ۔ ابی بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی: **المصنف** ۱۹۸۳، حدیث ۱۳۷۱۴، باب الرجل یقذف الآخر ایھما یسأل البینۃ، جلد ہفتم، ص ۴۱۹

۱۴۔ بیہقی، ابی بکر احمد بن الحسین بن علی، **السنن الکبریٰ**، کتاب الحدود، دار لکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ (س ن)

۱۵۔ مالک، بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) موطا امام مالک، **موطا**۔ کتاب الحدود

۱۶ ۔ ابی بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی: **المصنف**، باب الحد فی الضرورۃ،، حدیث، ۱۳۶۴۹۔ ۱۳۶۵۰

۱۷۔ ایضاً، باب القطع فی عام سنۃ، حدیث، ۱۸۹۹۰

۱۸ ۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعت سجستانی، **السنن**، طبع نولکشور ۱۳۹۳ھ، حدیث، ۹۷۱، کتاب الحدود، جلد سوم، ص ۷۸۲

۱۹ ۔ سیوطی، امام جلال الدین، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، متوفی ۹۱۱ھ، **تاریخ الخلفاء**، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، (س ن)، ص ۱۰۱

۲۰ ۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعت سجستانی، **السنن**، حدیث، ۹۷۴، کتاب الحدود، جلد سوم، ص ۷۸

۲۱ ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، **حجۃ اللہ البالغہ**، مترجم، مولانا خلیل احمد، کتب خانہ شان اسلام، راحت مارکیٹ اردو بازار، لاہور پاکستان، ص ۵۴۴

۲۲ ۔ المائدہ ۵: ۳۴

۲۳ ۔ محمد شفیع، **معارف القرآن**، مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید، ربیع الثانی، ۱۴۲۹ھ، اپریل، ۲۰۰۸ء، جلد سوم ص: ۱۱۵

۲۴۔ ایضاً، جلد پنجم، ص ۴۷۷

۲۵ ۔ الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصریے البغدادی، **الاحکام السلطانیہ**، (مولوی سید محمد ابراہیم) قانونی کتب خانہ، کچہری روڈ، لاہور (س ن)، باب انیس، ص ۳۶۴

۲۶ ۔ابن کثیر، حافظ عماد الدین، ابو الفدا، **تفسیر ابن کثیر**، مترجم، خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی، سن ۲۰۰۶ء مکتبہ قدوسیہ، لاہور، جلد دوم، ص، ۹۲

۲۷۔ محمد شفیع، **معارف القرآن** ، مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید، ربیع الثانی، ۱۴۲۹ھ، اپریل، -۲۰۰۸ء جلد سوم، ص ۱۲۴

۲۸ ۔ایضاً

۲۹ ۔ابن سعد، محمد بن سعد (۲۳۰ھ)، **طبقات الکبریٰ** (طبقات ابن سعد)، مترجم، علامہ عبد اللہ العمادی / مولانا عبد المنان، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کرچی، (س ن) جلد دوم، ص:۱۱۸، ۱۱۷

۳۰ ۔نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی، **السنن**، حدیث، ۱۰۵۳، کتاب القسامۃ

۳۱۔ ایضاً، حدیث، ۱۰۸۳، کتاب الدیات، باب، صاحب حق کو خون معاف کرنے کا حکم جلد سوم، ص:۸۸۲

۳۲ ۔ قشیری، ابو الحسین مسلم بن الحجاج، **صحیح مسلم**، ترجمہ، مولانا عابد الرحمان صدیقی کاندھلوی، ادارہ اسلامیات، سن اشاعت، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ، اپریل- ۲۰۰۷ء، لاہور، حدیث، ۱۸۸۴ کتاب القسامہ، جلد دوم، ص:۶۷۰

۳۳۔ نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی، **السنن**، حدیث، ۱۰۳۱، کتاب القسامۃ، جلد سوم، ص:۶۵۸

۳۴ ۔ محمد بن الفرج ابن الطلاع الاندلسی، **اقضیۃ الرسول ﷺ**، اردو ترجمہ و تحقیق، پروفیسر ڈاکٹر ضیاءالرحمٰن اعظمی، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، میں یہ پوری بحث صفحہ ۱۰۸ پر دیکھی جاسکتی ہے

۳۵۔ نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب، **السنن** ، حدیث، ۱۰۸۸، کتاب الدیات، جلد سوم، ص: ۸۸۷

۳۶۔ ایضاً، ۱۰۸۰، کتاب القسامہ، جلد سوم، ص:۶۸۹

۳۷۔ ابن کثیر، حافظ عماد الدین، ابو الفدا، **تفسیر ابن کثیر**، مترجم، خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی، سن ۲۰۰۶ء مکتبہ قدوسیہ، لاہور،، جلد اول، ص، ۳۲۹

۳۸ ۔ خطیب العمری، امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ، **مشکوٰۃ المصابیح** ، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، (س ن)، حدیث، ۳۴۱۳، کتاب الحدود،، جلد دوم، ص:۱۶۵

۳۹ ۔ محمود غازی، ڈاکٹر، **محاضرات فقہ**، اسلام کا قانونِ جرم و سزا، (نواں خطبہ)، ادب القاضی، طبع دوم، سن، ۱۹۹۳، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی یونی ورسٹی- اسلام آباد، ص۔ ۴۰۹۔

۴۰۔ ایضاً

۴۱ ۔ آل عمران ۳:۱۱۹